وسیلے کا شرک

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ؕ

امابعد۔ لوگوں کو جب سمجھایا جاتا ہے کہ جس کو تم ولی اللہ سمجھتے ہو اُس کی قبر کے پاس پہنچ کر اس قدر خوفزدہ اور بدحواس کیوں ہو جاتے ہو کہ کبھی قبر کے پاس جُھکے جا رہے ہو۔ کبھی قبر کو ہاتھ لگا کر اُس کی خاک بدن پر ملتے ہو، کبھی اُس کا طواف کرتے ہو، کبھی ہاتھ باندھے اس کے پاس اپنی بپتائیں بیان کر رہے ہوتے ہیں، کبھی صاحبِ قبر کی دُہائی دیتے ہو، کبھی نذر و نیاز اور چڑھاوے پر اُتر آتے ہو، کبھی منّتیں مانتے ہو کہ اولاد ہو جائے تو یہ نذر کروں گا۔ بیماری چلی جائے تو یہ خدمت بجالاؤں گا، واپس ہونے لگتے ہو تو اُلٹے پیروں چلتے ہو کہ قبر کی طرف پیٹھ نہ ہونے پائے قبر کے قریب یا دُور جہاں سے بھی گزرو قبر کا رُخ کر کے سلام کرتے ہو اور اس میں برکت جانتے ہو، اور ایسا نہ کرنے پر سخت مشکل میں پڑ جانے کا دھڑکا تمہیں لگا رہتا ہے، اولاد ہو تو نہلا دھلا کر لاتے ہو اور فرش پر ڈال دیتے ہو دولھا کو نکاح کے واسطے لئے جا رہے ہوتے ہو تو پہلے قبر پر حاضری دیتے ہو۔ آخر یہ سب کیوں کرتے ہو؟ کیا یہ غیر اللہ کی پرستش اور پوجا نہیں ہے؟ اور کیا کسی ایک ولی اللہ نے بھی اس بات کا حکم دیا ہے، ولی اللہ تو نمازیں پڑھنے والے، روزے رکھنے والے، اللہ سے ڈرنے والے اور اللہ ہی کو پکارنے والے ہوتے ہیں، وہ یہ بات کیسے پسند کر سکتے تھے کہ تم یہ کام کرنے کے بجائے اُن کو پکارو، اُن سے مانگو۔

عجیب بات ہے کہ جب ان ناسمجھوں سے کہا جاتا ہے کہ تمہیں بتاؤ کہ کیا کوئی ایماندار اور اللہ سے ڈرنے والا اِن باتوں کا حکم دے سکتا ہے جو تم آج کرتے ہو، تو جواب ملتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ ہم گناہگار لوگ ہیں، ہماری پہنچ اللہ کے دربار تک کہاں، اور یہ خدا رسیدہ بزرگ تھے ہم ان کو خوش کر کے اللہ کے یہاں اپنا وسیلہ بناتے ہیں تا کہ یہ ہماری بات وہاں تک پہنچا دیں۔ آخر دُنیا میں بادشاہ تک پہنچنا ہوتا ہے تو کیا درباریوں اور وزراء کو وسیلہ نہیں بنایا جاتا۔ یہ بالکل وہی بات ہے جو عرب کے لوگ اُس وقت کہا کرتے تھے جب اُن کو ٹوکا جاتا تھا کہ ایک مالک کو چھوڑ کر تم دُوسروں کے پاس کیوں جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں اُن کا نقشہ یوں پیش فرماتا ہے :

غلط توجیہہ | وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی ؕ

(سورہ الزمر، آیت ۳)

ترجمہ: رہے وہ لوگ جنہوں نے اُس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (وہ اپنے اس فعل کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو اُن کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ:

ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ ؕ یعنی یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ (سورہ یونس، آیت ۱۸)

سچ ہے دُنیا بھر کے لوگ ہمیشہ سے یہی کہتے آئے ہیں کہ ہم دوسری ہستیوں کی عبادت اُن کو خالق سمجھتے ہوئے نہیں کرتے، خالق تو ہم اللہ ہی کو مانتے ہیں اور اصل معبود اُسی کو سمجھتے ہیں، لیکن اُس کی بارگاہ بہت اونچی ہے وہاں تک ہماری رسائی بھلا کہاں، اس لئے ہم ان بزرگوں کو وسیلہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری دُعائیں اور التجائیں اس تک پہنچادیں، اور ہمارے سفارشی بنیں۔

کاش! انہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دُنیا کے بادشاہوں سے بالکل مختلف ہے۔ دُنیا کے بادشاہوں کو تو سوال کرنے والے کے حالات اور ضروریات کا کچھ علم نہیں ہوتا مگر مالک اس نقص سے پاک ہے۔ وہ تو ہر انسان کے دل کی بات تک سے واقف ہے، اس کو اس کی ضرورت نہیں کہ اُس کا کوئی وزیر اُس تک خبر پہنچائے تب اُسے معلوم ہو۔

دُنیا کے بادشاہوں کی طرح وہ اپنے سرداروں اور وزیروں کے جھرمٹ میں نہیں رہتا کہ جب تک کوئی سردار یا وزیر اُٹھ کر سفارش نہ کرے وہ کسی کی عرضداشت سننے پر رضامند ہی نہ ہو۔ اور نہ وہ دُنیاوی بادشاہوں کی طرح تندمزاج اور غصہ ور ہے کہ کسی سائل کو خدا آم ادب کا ذریعہ چھوڑ کر براہِ راست اس کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کا یارانہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے وزیر اور بادشاہ قسم کی غلط مثالیں بیان کرنے سے قرآن میں منع فرمایا ہے: اور بتلا دیا ہے کہ میں ہر بات کا علم بھی رکھتا ہوں اور اپنے بندوں کیلئے ارحم الراحمین ہوں، دوسرے ایسے نہیں ہیں۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (النحل، آیت ۷۴)

ترجمہ: پس اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

مالک حقیقی کا حال تو یہ ہے کہ وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ○

(ق، آیت ۱۶)

ترجمہ: ہم نے اِنسان کو بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں جو باتیں اُس کے جی میں آتی ہیں، اور ہم اُس سے اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (ق، آیت ۱۶)

یہ ہے اللہ کا معاملہ، رہے دُوسرے تو اُن کو اپنے پکارنے والوں کی پکار کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ پہنچانا اور سفارش کرنا تو بعد کی بات ہے۔ یہ قرآن کریم کا اصلی مسئلہ ہے۔ اور قرآن نے اولیاء اللہ کو دُعائیں پہنچانے والا سمجھنے والوں کو مشرک کہا ہے۔ ابوجہل کا سب سے مضبوط عقیدہ یہی تھا۔

پروردگار براہِ راست دُعاؤں کو سنتا ہے

یہی اللہ کے دربار تک دُعاؤں کے پہنچانے کا مسئلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی لایا گیا تھا اور کہا جارہا تھا کہ کیا ہماری بات براہِ راست اللہ کے دربار تک پہنچ سکتی ہے اور کیا بغیر وسیلے کے ہماری دُعائیں سنی جاسکتی ہیں۔ پروردگارِ عالم نے قرآن میں اس کا جواب ارشاد فرمایا:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○ (البقرۃ ۱۸۶)

ترجمہ: اور اے نبی میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو اُنہیں بتادو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے۔ میں اس کی پکار کو سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا اُنہیں چاہیئے کہ وہ میرا ہی حکم مانیں اور مجھ ہی پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم اُنہیں سنادو، شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔

غرض اس طرح سے بتادیا گیا ہے کہ اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دُور ہوں۔ نہیں میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرض معروض کرسکتا ہے۔ حتیٰ کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گذارش کرتا ہے میں اُسے بھی سن لیتا ہوں، اور صرف سنتا ہی نہیں بلکہ فیصلہ بھی صادر کردیتا ہوں اور جن بے حقیقت اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے حاجت رَوا، مشکل کشا اور فریادرس قرار دے رکھا ہے اُن کے پاس تو تم کو دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی وہ نہ تمہاری شنوائی کرسکتے ہیں اور نہ اُن میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کرسکیں۔ اور میں کائنات بے پایاں کا فرمانروائے مطلق تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور سفارش کے براہِ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچاسکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار، بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ میں جو حکم تمہیں دے رہا ہوں اُس کو مان لو۔ میری طرف رجوع کرو۔ مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی اور اطاعت کرو۔ (ماخوذ)

دُعا کیلئے زندوں کو وسیلہ بنانا

بہت سے لوگ قبروں پر جانے کی یہ تاویل کرتے ہیں: کہ ہم وہاں مانگنے کیلئے نہیں جاتے بلکہ ان بزرگوں سے اپنے حق میں دُعا کروانے جاتے ہیں، اب اگر ان سے کہا جائے کہ اگر بزرگوں کی دُعاؤں کو وسیلہ بنانا ہی ہے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اُن کی زندگی میں اُن سے دُعا کرواؤ۔ دُنیا سے چلے جانے کے بعد یہ بات صحیح نہیں ہے۔

اور یہ دُعا ہر زندہ مومن سے کروائی جاسکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب عمرؓ نے مکہ جا کر عمرہ کرنے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے ان کو اجازت دیکر کہا کہ "پیارے بھائی ہمیں اپنی دُعاؤں میں نہ بھولنا"۔
(یااخی لاتنسنا من دُعائِكَ۔ مسند الطیالسی)

مردہ بزرگوں کو دُعا کیلئے وسیلہ بنانے کا شرک

اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ مشرکوں کا سب سے بڑا شرک یہ تھا کہ وہ مُردوں کو اپنا سفارشی اور دُعاؤں کا وسیلہ بنا کر پوجتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو سختی سے ڈانٹا اور اس فعل شنیع سے منع کیا۔ اے کاش کہ اصحابِ قبور کو دُعا کیلئے وسیلہ بنانے والوں کو یہ بھی خبر ہوتی کہ عمر بن خطابؓ نے نبیؐ کی وفات کے بعد اُن کو دُعا کیلئے وسیلہ نہیں بنایا اور نہ ہی نبیؐ کی قبر پر گئے۔ بلکہ عباس ابن عبدالمطلبؓ کو دُعا کے لئے وسیلہ بنایا۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا قُحِطُوْا اِسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا. فَيُسْقَوْنَ۔
(بخاری، صفحہ ۱۳۷، جلد ۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ جب قحط پڑتا تھا تو عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے بارش کے لئے دُعا کرواتے تھے اور کہتے تھے کہ بارِ الٰہا ہم (پہلے) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری طرف (دُعا کے لئے) وسیلہ بناتے تھے اور تو بارش برساتا تھا۔ (اب جب کہ وہ ہم میں نہیں ہیں) ہم اپنے نبیؐ کے چچا کو (دُعا کے لئے) وسیلہ بناتے ہیں۔ مالک بارش بھیج۔ پھر بارش ہوتی۔ (بخاری، جلد ۱، صفحہ ۱۳۷)

اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جو قحط "عام الرمادة" (راکھ کا سال) کے نام سے موسوم ہے ۱۸ھ میں گذرا ہے اُس کے واقعہ کی تفصیل ابوصالح السمان جو عمر فاروقؓ کے خازن تھے، یوں بیان کرتے ہیں:

فَلَمَّا صَعِدَ عُمَرُ مَعَ الْعَبَّاسِ الْمِنْبَرَ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَللّٰهُمَّ اِنَّا تَوَجَّهْنَا اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ وَصِنْوِ اَبِيْهِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِيْنَ ثُمَّ قَالَ قُلْ يَا اَبَا الْفَضْلِ فَقَالَ الْعَبَّاسُ اَللّٰهُمَّ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يُكْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَيْكَ لِمَكَانِيْ مِنْ نَبِيِّكَ وَهٰذِهٖ اَيْدِيْنَا اِلَيْكَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِيْنَا بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ فَاَرْخَتِ السَّمَاءُ شَآبِيْبَ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتّٰى اَخْصَبَتِ الْاَرْضُ

(حاشیہ بخاری، جلد ۱، صفحہ ۱۳۷)

ترجمہ: پس جب عمر رضی اللہ عنہ عباسؓ کے ساتھ منبر پر چڑھے تو عمر فاروقؓ نے کہا: اے مالک ہم تیرے نبیؐ کے چچا کے ذریعہ جو اُن کے باپ کے بھائی ہیں، تیری طرف رُخ کرتے ہیں تو اے مالک ہمارے لئے پانی برسا اور ہمیں نا اُمید نہ کر۔ پھر انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوالفضل اب آپ دُعا کریں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مالک تیری کوئی بلا نازل نہیں ہوتی مگر گناہ کی وجہ سے اور وہ دُور نہیں ہوتی مگر توبہ سے۔ اور اس وقت قوم نے تیرے نبیؐ کی نگاہ میں میرے مقام کی وجہ سے تیری بارگاہ میں مجھے ذریعہ بنایا ہے۔ تو اے مالک یہ گناہ آلود ہاتھ تیری بارگاہ میں اُٹھے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیرے سامنے جھکی ہوئی ہیں بارالٰہا ہم پر بارش برسا۔ پس آسمان نے پہاڑوں جیسے دہانے کھول دیئے اور زمین جی اُٹھی۔ (حاشیہ بخاری، جلد۱، صفحہ ۱۳۷)

آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فضیلت والی ذات کونسی ہے جس کا مرنے کے بعد دُعا میں وسیلہ اختیار کیا جائے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ دین کو سمجھنے والا کون ہوسکتا ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ نبیؐ کی قبر پر جا کر نہ تو ان کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں اور نہ دُعاءِ استسقٰی کے وقت بلکہ نبیؐ کے چچا عباسؓ جو دنیا میں زندہ تھے اُن کو دُعا کے لئے وسیلہ بناتے ہیں وہ دُعا کرتے ہیں اور مالک بارش برساتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کسی کے حق کا واسطہ دینا جائز نہیں

جن لوگوں نے وسیلہ کے نام سے بزرگانِ دین کی استعانت اور انبیاء اور اولیاء سے استغاثہ جائز کر رکھا ہے انہوں نے قرآن کے لفظ وَسِیْلہ (بہ معنیٰ قُرب) کو اُردو کے لفظ وسیلہ (بہ معنیٰ ذریعہ) کا مترادف سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ وسیلہ سے ''تقرّب'' مراد ہے۔ مسلم کی روایت ہے:

عَنْ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوٰۃً صلی اللہ علیہ بہا عشراً ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانہا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوا ان اکون انا ہو فمن سال لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ (رواہ مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اذان دینے والے کو اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی کلمات کہو جو وہ کہہ رہا ہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو۔ کیونکہ یہ وسیلہ جنت کا وہ مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں صرف ایک بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ میں وہ بندہ ہوں۔ سن لو۔ جس نے میرے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ وسیلہ مانگا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ وسیلہ جنت میں بلند ترین مقام کا نام ہے۔

---

۱ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعظمہ ویکرمہ بعد اسلامہ۔ (أسد الغابہ)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبول اسلام کے بعد ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

اور بخاری کی روایت یوں ہے:۔

عن جابر بن عبد اللہؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یسمع النداء۔ اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ حلت لہ شفاعتی یوم القیامۃ۔ (بخاری)

ترجمہ: جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اذان سن کر یہ کہا کہ اے اللہ اس پوری پوری پکار کے رب اور ہمیشہ باقی رہنے والی نماز کے مالک عطا فرما محمدؐ کو وسیلہ اور فضیلت اور مبعوث فرما اُنؐ کو اُس مقامِ محمود پر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے (تو) ایسے کہنے والے کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(بخاری، جلد ۱، صفحہ ۸۶)

پس معلوم ہوا کہ ''وسیلہ'' سے مراد ''قربِ الٰہی'' ہے اور اس سے کسی کی ذات کو اللہ کے حضور وسیلہ بنانا مقصود نہیں۔ علامہ آلوسی ''تفسیر روح المعانی'' کے مصنف نے بڑی تفصیل سے اس بات پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ:

الاستغاثۃ بمخلوق وجعلہ وسیلۃ بمعنی طلب الدعاء منہ لاشک فی جوازہ ان کان المطلوب منہ حیا واما اذا کان مطلوب منہ میتا او غائبا فلا یستریب عالم انہ غیر جائز وانہ من البدع التی لم یفعلھا احد من السلف ولم یرو عن احد من الصحابۃ رضی اللہ عنھم وھم احرص الخلق علی کل خیر انہ طلب من میت شیئاً۔

(رُوح المعانی، جلد ۶، صفحہ ۱۲۵)

ترجمہ: کسی شخص سے درخواست کرنا اور اُس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ دُعا کرے۔ اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے بشرطیکہ جس سے درخواست کی جارہی ہو وہ زندہ ہو۔ دوسری طرف میت یا غائب شخص سے دُعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں ہے اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے نہیں۔۔۔۔ کیا۔ صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے صاحبِ قبر سے کچھ طلب کیا ہو۔ (تفسیر رُوح المعانی، جلد ۶، صفحہ ۱۲۵)

یہی بات امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ثابت ہے ابوالحسین قدوری اپنی فقہ کی کتاب المسمّٰی ''بشرح الکرخی'' کے باب الکراہتہ میں لکھتے ہیں کہ:

قال بشر بن الولید حدثنا ابو یوسفؒ قال ابو حنیفۃؒ لا ینبغی لاحد ان یدعو اللہ الا بہ واکرہ ان یقول بحق خلقک۔ وھو قول ابی یوسفؒ قال ابو یوسفؒ اکرہ ان یقول بحق فلان او بحق انبیائک ورسلک وبحق البیت الحرام والمشعر الحرام۔ قال القدوری۔ المسئلۃ بخلقہ لا تجوز لانہ لا حق للخلق علی الخالق فلا تجوز وفاقا۔

ترجمہ: بشر بن ولید کہتے ہیں کہ مجھ سے امام ابو یوسفؒ نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ کسی کیلئے اللہ تعالیٰ سے بجز اُس کی ذات اور صفات کے حوالہ دے کر دُعا کرنا جائز نہیں ہے اور میں ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ بحق تیری مخلوق کے اور یہی قول ابو یوسفؒ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بھی ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ بحق تیرے نبیوں

کے یا بحق تیرے رسولوں کے یا بحق بیت الحرام یا بحق مشعر الحرام۔اسکے بعد امام قدوری کہتے ہیں کہ خدا سے اسکی مخلوق کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کسی مخلوق کا بھی خالق پر کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اسے ادا کرے۔یہی بات احناف کے مسلک کی سب سے معتبر کتاب ''ھدایہ'' کی ''کتاب الکراھیۃ'' میں ہے اسکے الفاظ یہ ہیں۔

ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلان او بحق انبیائك ورسلك لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق (ھدایہ، جلد۴، صفحہ ۴۵۹، سطر ۳۔۴)

ترجمہ: اور جائز نہیں کہ کوئی اپنی دُعا میں یوں کہے کہ بحق فلاں۔یا اپنے انبیاء اور رسولوں کے حق کے طفیل یا صدقہ میں کیونکہ خالق پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ کہنا بھی: **اللّٰھم اسألك بحق فلان عبدك او بجاھہ او حرمتہ او نحو ذالك مکروہ کراھۃ تحریم عند جمیع متون الحنفیۃ وھی کالحرام فی العقوبۃ بالنار عند محمد ؒ**"

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے فلاں بندے کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔یا یوں کہے کہ اُس کے جاہ کے واسطے سے یا اُس کی حرمت کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں، مکروہ تحریمی ہے اور یہ بات احناف کی ساری کتابوں کے متنوں میں لکھی ہوئی ہے۔امام محمدؒ کے نزدیک یہ کہنا ایسا حرام ہے کہ اُس پر آگ کا عذاب ہوگا۔

(مستفاض من صیانۃ الانسان، صفحہ ۲۰۱)

معلوم ہونا چاہیئے کہ ''کرہ'' کا لفظ حدیث اور عبارات سلف میں مکروہ تنزیہی سے لیکر حرام تک کیلیئے استعمال ہوتا تھا اور یہاں مکروہِ تحریمی کے لئے آیا ہے۔

اور کیا اس ظلم کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے جو اِن نام نہاد گروہ صوفیاء نے اسلام پر ڈھایا ہے۔ہر دُعا سے پہلے وہ ان ''حقوں'' کا ایک سلسلہ شروع کر دیتے ہیں اور اس کا نام انہوں نے ''شجرہ شریف'' رکھ دیا ہے۔اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی ''دھونس'' کا یہ انداز بھی خوب ہے۔

افسوس کہ آج اللہ تعالیٰ کو کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دلایا جاتا ہے، کبھی کسی ولی کا اور کبھی کسی پیر کا۔اور قرآن کی وسیلہ والی آیت کو لوگوں نے اُردو زبان کے وسیلہ کے معنی میں ڈھال کر دُعاؤں میں اللہ کے نیک بندوں کی ذات کو وسیلہ بنانے کا مذموم طریقہ ایجاد کر لیا ہے۔ہر چند کے سارے مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں وسیلہ سے مراد اللہ کا تقرب ہے اور وہ ایمان اور نیک اعمال ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے۔آیت یہ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (سورہ المائدہ، آیت ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، اور جہاد کرو اُس کی راہ میں تا کہ تم فلاح پاؤ۔

(سورہ المائدہ، آیت ۳۵)

قرآن کی اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ''وسیلہ'' سے قربت اور تقرب مراد ہے اور وہ ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوسکتا ہے اور یہی ایمان وعمل کا وسیلہ ہی وہ وسیلہ ہے جس کے حق ہونے پر سب متفق ہیں کیونکہ یہی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لیکن آج جھوٹی روایتوں کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے وسیلہ کو جائز ہی نہیں، مستحسن قرار دیدیا گیا ہے۔ ان میں سے سب سے مشہور روایت یہ ہے:۔

آدمؑ کا نبیؐ کی ذات کو وسیلہ بنانے کی غلط روایت

غضب تو یہ ہے کہ ایک ایسی روایت بھی لائی جاتی ہے جس میں آدم علیہ السلام سے گناہ سرزد ہوجانے کا قصہ بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ پھر اُن کی توبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دُعا کرنے پر قبول ہوئی۔

لمّا اذنب آدم الذنب الذی اذنبہ رفع راسہٗ الی السماء فقال اسئلك بحق محمدؐ الا غفرت لی ..... الخ

ترجمہ: جب آدمؑ سے گناہ سرزد ہوگیا تو انہوں نے آسمان کی طرف سر اُٹھا کر محمدؐ کے وسیلہ سے مغفرت کی دُعا مانگی اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ یہ ''محمد'' کون ہیں؟ آدمؑ نے جواب دیا کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اُٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور وہاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا پایا تو میں سمجھ گیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے اس سے زیادہ عظمت والا کوئی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ آدم تم نے سچ کہا۔ وہ نبیِ آخر ہیں اور وہ تمہاری ہی اولاد سے ہوں گے اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔

اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ ''لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ'' کہ اے نبیؐ اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ (فضائل ذکر فصل سوم، صفحہ ۱۴۳)

اللہ اللہ۔ یہ اللہ و رسولؐ پر کس قدر شدید بہتان ہے۔ قرآن میں تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کے سلسلہ میں یوں ارشاد فرماتا ہے:۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ (سورہ البقرۃ، آیت ۳۷)

ترجمہ:۔ پس سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں، پھر متوجہ ہوگیا اللہ اس پر بے شک وہی ہے توبہ کو قبول کرنے والا مہربان۔ (سورہ البقرۃ، آیت ۳۷)

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ہم نے آدم کو توبہ کی دُعا سکھائی اور اس کے برعکس یہ روایت کہتی ہے کہ یہ آدم علیہ السلام کا اپنا اجتہاد تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو یہ دریافت کرنا پڑا کہ تم نے آخر محمدؐ کا (وسیلہ کیسے پکڑا)

مفسّرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ دُعا جو اللہ تعالیٰ نے سکھائی اور جس کے ذریعہ توبہ قبول ہوئی قرآن میں بیان کردی گئی ہے اور وہ یہ ہے:۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○

(سورہ الاعراف، آیت ۲۳)

ترجمہ: آدمؑ وحوّا نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔ (سورہ الاعراف، آیت ۲۳)

دوسرا ظلم اس روایت میں یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ٹھیرایا گیا ہے حالانکہ قرآن فرماتا ہے کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ (سورہ الذاریات، آیت ۵۶)

ترجمہ: میں نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر اپنی بندگی کیلئے (سورہ الذاریات، آیت ۵۶)

ثابت ہوا کہ تخلیق کائنات کی غایت بندگیٔ الٰہی ہے نہ کہ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ خود ذاتِ نبویؐ کو اللہ کی بندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ فن حدیث کے لحاظ سے بھی اس روایت کو ہر محدّث نے موضوع (گھڑی ہوئی) بتایا ہے۔ اس میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم راوی ہے اور اس پر یہ حکم لگایا گیا ہے۔

(میزان الاعتدال، جلد ۲، صفحہ ۱۰۶)

غرض اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے صدقے اور وسیلے کے علاوہ ہر دوسری ذات اور اُس کی صفات کے صدقے اور وسیلے کو ناجائز اور شرک قرار دیتا ہے اس کا فرمان ہے کہ میرے بندو! مانگنا ہے تو مجھ سے مانگو، پکارنا ہے تو مجھے پکارو، صرف میرے پاس ہی وہ خزانے ہیں جو تمہاری ہر حاجت کو پورا کر سکتے ہیں اور دُعا کرتے وقت میرے اسماءِ حسنیٰ (ذات اور صفات کے بہترین نام) کو میری رحمت کو متوجہ کرنے کا ذریعہ بناؤ۔

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا (الاعراف، آیت ۱۸۰)

ترجمہ: اللہ کے اسماءِ حسنیٰ ہیں اُن ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو (الاعراف، ۱۸۰)

اب اگر کوئی اسماءِ حسنیٰ کے بجائے اس کے کسی نبی یا ولی کا نام لیکر کہتا ہے کہ اپنے اس پیارے نبی یا ولی کے صدقہ میں میری دُعا قبول فرما کر میری حاجت پوری کر دے تو گویا وہ اللہ کی ذات وصفات کے اسماءِ حسنیٰ سے زیادہ اس نبی یا ولی کی ذات اور اُس کے نام کو مؤثر مانتا ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے بندہ کو شریک ٹھیرانا ہی نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شدید توہین بھی ہے۔

آخر میں ہماری پکار یہ ہے کہ: کیا کوئی ایسا ہے جو شرک کو مٹانے اور توحید خالص کو پھیلانے کے لئے ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہو؟ اور۔۔۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو صحابہ کرامؓ کے نقوشِ قدم کی رہنمائی میں باطل کو مٹا کر حق کے قیام کیلئے ہمارے ہمسفر بنیں؟